© rasailojaraid.com

تعارف وتبصرہ

مالک رام اور اسلامیات

پروفیسر عبد المغنی

مشہور محقق اور ماہر غالبیات، جناب مالک رام نے اسلامیات کا بھی بہت اچھا مطالعہ کیا ہے، جس کا اظہار ان کی دو کتابوں "عورت اور اسلامی تعلیم" اور "اسلامیات" میں ہوا ہے۔ اس مطالعے کا ایک جائزہ لینے کے لیے ہم سب سے پہلے دوسری کتاب پر ایک نظر ڈالیں گے، اس لیے کہ اس میں حسبِ ذیل اصولی موضوعات پر بحث کی گئی ہے:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الاسلام

اسلامی خلافت

پہلا مضمون اسلام کے بنیادی کلمے کی ایک عمدہ تشریح ہے، جس میں اختصار کے ساتھ توحید و رسالت کے ارکانِ ایمان کی اہمیت واضح کی گئی ہے، گرچہ زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے اور رسالت کے اقرار کو بھی گویا توحید ہی کی ایک توسیع قرار دیا گیا ہے:

"جب کوئی آدمی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے، تو وہ اس بات کا اشتہار دے رہا ہے کہ میں آج سے خدا کے سوا کسی اور کو معبود سمجھوں گا نہ اس کی عبادت کروں گا، یہاں تک کہ محمدؐ کی بھی نہیں، کیونکہ وہ بھی صرف اس کے رسول ہیں، معبود نہیں۔" (ص۱۲ اسلامیات)

یہ بیان دراصل بعض لوگوں کے اس اعتراض پر دیا گیا ہے کہ بظاہر کلمۂ اسلام میں اللہ کے ساتھ ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کر کے گویا توحیدِ خالص میں ایک آمیزش کر دی گئی ہے۔ اس الزام کے جواب میں جناب مالک رام نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، مگر جس منفیانہ انداز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انھوں نے اظہارِ خیال کیا ہے وہ رسالت کی پوری حقیقت واضح کرنے کے لیے کافی نہیں۔ اوّل تو اس اظہارِ خیال میں ایک دفاعی اور عذر خواہانہ انداز اختیار کیا گیا ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، دوسرے اثبات کو نفی کے مفہوم میں پیش کرکے اصل نکتے کی اہمیت کم کردی گئی ہے۔ اسلام کے کلمۂ ایمان کی متعدد عبارتیں خود شریعت کی تجویز کردہ ہیں جن سے کلمۂ طیبہ کی وضاحت بہ آسانی ہو جاتی ہے اور اس سلسلے میں کسی پُر تکلف بحث کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ مثال کے طور پر پنج وقتہ نمازوں میں ہر مسلمان تشہدّ کے قعدے میں کلمۂ شہادت اس طرح ادا کرتا ہے:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ

اس اعلان میں رسالت کی شہادت اس طریقے سے دی گئی ہے کہ پہلے رسول اللہ کے بندۂ خدا ہونے کا اقرار کرکے توحید کے متعلق ہر اشتباہ کا دروازہ بند کردیا گیا ہے، اس کے بعد رسالت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک بندۂ خدا کے خدائی میں شریک ہونے کا کوئی سوال نہیں اٹھتا، صرف اس کے منصبِ رسالت کی عظمت ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ بجائے خود لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کلمۂ توحید ہی میں جس ترتیب سے رسالت کا اقرار کیا گیا ہے وہی یہ بتانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس خدا کے پیغمبر ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ نکتہ کلمے کے پہلے جز کے تجزیے سے بھی عیاں ہو سکتا ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"، تو ہر انسان یا ہر شے کے معبود ہونے کی یکسر نفی ہو گئی، اب اگر اس کے بعد کسی انسان کی رسالت کا اثبات کیا جاتا ہے تو اس سے توحید میں آمیزش کیسے ہو گی؟ اس سلسلہ میں کوئی اعتراض صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو عربی سے نابلد ہو یا جان بوجھ کر ایک سیدھی سادی عبارت میں توڑ مروڑ کرکے لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنا چاہتا ہو۔ اس کا مقصد دراصل اسلام کے عظیم الشان تصورِ رسالت کو مجروح کرنا ہے تاکہ اس کے بعد انقلاب آفریں نظریۂ توحید پر بھی ضرب اپنے آپ پڑ جائے۔ مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول سمجھتے ہیں، جب کہ ان کی بعثت سے قبل ہر ملک اور دور میں بھیجے جانے والے اللہ کے تمام رسولوں پر اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔ اس طرح ختمِ رسالت بجائے خود وحدتِ انسانی کے اس تخیل کا نشان بن جاتا ہے جو اسلامی توحید میں مضمر ہے۔ لہٰذا رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عبد تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کی رسالت کی جلالتِ شان کا احساس ہر مسلمان کے دل میں پیدا ہونا چاہیے، جو محض ان کی الوہیت کی نفی سے نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ہی ان کی رسالت کا مثبت اقرار بھی اس کے تمام مضمرات کے ساتھ نہ ہو۔

زیر نظر مضمون میں حسب ذیل آیت کا ترجمہ محلِ نظر ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام (۳ : ۹)

(ہم تک پہنچنے کا راستہ اسلام ہے) (صد۱۶ اسلامیات)

اس ترجمے سے اصلی مفہوم واضح نہیں ہوتا جو یہ ہے کہ "اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔" یہ آیت کا لفظی ترجمہ بھی بالکل صحیح طور پر ہے اور اُس کا حقیقی و مکمل مفہوم بھی اِسی ترجمے سے ادا ہوتا ہے۔ اس نکتے کا ثبوت سیاق و سباق کی ایک دوسری آیت "وَمَن یَّبْتَغِ غیرَ الاسلامِ دِینًا فلن یُّقْبَلَ مِنْہُ" (۳ : ۸۵) سے بھی ملتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" یہ بات پہلی آیت کے ہی باقی حصے سے بھی واضح ہے جو یہ ہے: "اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنھیں کتاب دی گئی تھی ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا۔" یہی وجہ ہے کہ خود جناب مالک رام نے اپنے دوسرے ہی مضمون "الاسلام" میں زیرِ نظر کتاب کے صفحہ ۲۵ پر مذکورہ آیت کا صحیح ترجمہ درج کردیا ہے، جو یہ ہے: "بے شک، دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اس دوسرے مضمون میں مختصر طور پر بہ طور ایک اصطلاح کے لفظ اسلام کی اچھی وضاحت کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں چند بنیادی سوالات کے جوابات بھی خوش اسلوبی سے دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر دیگر مذاہب میں عیسائیت نے خدا کا تصور باپ کی حیثیت سے قائم کیا ہے اور ہندو دھرم میں باپ کے ساتھ ساتھ ماں کا تصور بھی خدا کے متعلق پایا جاتا ہے، مگر اسلام نے ان بشری رشتوں سے تصورِ الٰہ کی تنزیہہ کرکے خدا کے لیے ایک نہایت جامع لفظ "رب" کا استعمال کیا ہے۔ اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے جناب مالک رام یہ فکر انگیز بیان دیتے ہیں:

"اگر تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ "رب" کے تصور میں "اَب" اور "اُم" دونوں سے کہیں زیادہ وسعت اور گہرائی ہے۔" (صد۲۲ اسلامیات)

اس موضوع پر "بعثتِ انبیا" اور "اہلِ کتاب" کے اہم نکات کی تشریح کرکے جناب مالک رام نے واضح کیا ہے کہ اسلامی تصور توحید وحدتِ انسانی کا سب سے بڑا پیغام ہے، جو ایک خدا اور ایک انسان کے تخیل کے تحت پوری انسانیت کو خدا پرستی کے محاذ پر متحد کرنا چاہتا ہے، اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مسلم کا مطلب صرف خدا کا فرماں بردار ہے جو ہر دور میں خدا پرستوں کا لقب رہا ہے۔ لہٰذا وہ "اصولِ اسلام" کی صراحت کرتے ہوئے عالمی سطح پر انسانی یک جہتی کے حسب ذیل مسلمات پیش کرتے ہیں:

"(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔

(۲) کسی اور ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار نہ دیا جائے۔

(۳) ایک انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے، گویا خدا کو چھوڑ کر وہ اسے اپنا پروردگار سمجھ رہا ہے۔" (ص ۳۴ اسلامیات)

ان اصولوں کی بنیاد پر جناب مالک رام مضمون کے آخر میں یہ بصیرت افروز سوال اٹھاتے ہیں:

"کیا دنیا کی خدا پرست قوموں میں آج اس اصول پر کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا؟" (ایضاً)

اگر اقوام متحدہ میں شریک ممالک قومی مفاد پرستی اور جنگ بازی کی تفرقہ پردازیاں چھوڑ کر اس سوال پر غور کرنے کی زحمت گوارہ کریں اور سنجیدگی و اخلاص کے ساتھ کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں تو عام انسانی اخوت و مساوات کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جو تاریخ میں پہلی بار اسلام ہی نے دیکھا تھا اور اپنے دورِ عروج میں اس کی وہ تعبیر بھی نکالی تھی جو عصرِ حاضر کی بین الاقوامیت کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

مذکورہ مضمون میں حسب ذیل آیت کا ترجمہ صحیح نہیں:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (۲۲ : ۷۸)

(اور دین تمہارے باپ ابراہیم کا، انھیں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے) (ص ۲۵، اسلامیات)

اس آیت میں "ھُوَ" کی ضمیر خدا کی طرف راجع ہے، حضرت ابراہیم کی طرف نہیں۔ اس سلسلے میں نقلی دلیلوں کے علاوہ صریحاً عقلی استدلال یہ ہے کہ خدا پرستوں کے لیے مسلم کا نام حضرت ابراہیم کے بہت قبل، تخلیقِ آدم کے وقت سے ہی چلا آ رہا ہے، صرف مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کا رکن قرار دینے سے لفظ مسلم کی اس قدامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابراہیمؑ خود بھی اللہ ہی کے بنائے ہوئے مسلم تھے، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۸ سے بھی واضح ہے، جس کا حوالہ جناب مالک رام نے دیا ہے۔ چناں چہ اسی مضمون میں کتاب کے صفحہ ۲۹ پر مصنف نے زیرِ بحث آیت کا صحیح ترجمہ درج کیا ہے، جو اس طرح ہے:

"اسی (خدا) نے تمہیں پہلے بھی مسلمان کا نام دیا اور اب اس میں بھی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں آیت کا بقیہ حصہ بھی دے دیا گیا ہے، جو یوں ہے : "هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هٰذَا"

تیسرا مضمون "اسلامی خلافت" ہے۔ اس میں اسلام کے جمہوری اصول "شوریٰ" کی تشریح کرکے خلفائے راشدین کے تقرر کے مختلف طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد "خلیفہ کی صفات" بتائی گئی ہیں۔ پھر "اسلامی خلافت کے اصول" پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ اصول مصنف کے تجزیے کے مطابق تعداد میں "گیارہ" ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے تصورِ خلافت میں کچھ نکتے موجودہ جمہوریت کے قواعد و ضوابط کے مشابہ ہیں اور کچھ ان سے مختلف۔ مثال کے طور پر شورائیت کا عنصر جس کے مطابق مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے نطے ہوتے ہیں جمہوری ہے، مگر جمہوریت کے برخلاف خلافت کے لیے کوئی خاص انتخابی ادارہ مقرر نہیں کیا گیا ہے، نہ قانون سازی اور انتظامی امور میں کثرتِ رائے کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قانون سازی کا معاملہ تو واضح ہے، اس لیے کہ اس کا اختیار عوامی نمایندوں کے بجائے خدا و رسول کے لیے محفوظ ہے اور شریعت کا مطلب ہی قانون الٰہی ہے۔ یہ تشریع کا سوال ہے اور شارع اللہ کی وحی کے تحت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ البتہ جن مسائل کی وضاحت شریعت میں موجود نہیں ہو ان کے متعلق کتاب و سنت کی عام بنیادی ہدایات کی روشنی میں قیاس و اجتہاد ہو سکتا ہے اور اس پر اجماع بھی کیا جا سکتا ہے، گرچہ یہ امر بحث طلب ہے کہ اجماع انفرادی طور پر علمائے دین کے اجتہاد کے مطابق ہوگا یا علما اور دیگر ماہرینِ قانون مل کر کسی اجتماعی ادارے مثلاً اسمبلی یا پارلیامنٹ کی نمایندہ شکل میں کوئی اجتہاد کر سکتے ہیں جس پر اتفاق رائے کا نام اجماع ہوگا، اگر پوری ملت اسے تسلیم کر لے۔ تشریع کی یہ تصریح جناب مالک رام نے نہیں کی ہے، لیکن انھوں نے مضمون کے آخر میں جو سوال اٹھایا ہے اس کے پیشِ نظر راقم السطور نے کچھ وضاحتی اشارات دے دیے ہیں۔ سوال یہ ہے :

> "ان اصولوں کا موجودہ دور کی جمہوریت سے مقابلہ کرکے دیکھا جا سکتا ہے کہ کیا ان معنوں میں اسلام میں جمہوریت ہے یا نہیں !"

مصنف کا جملہ استفہامیہ نہیں استعجابیہ نشان پر ختم ہوتا ہے، جس کا مطلب ایک قسم کا چیلنج بھی ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لیے جو آج اسلام میں جمہوریت کا ثبوت کسی نہ کسی طرح مہیا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن جناب مالک رام کا فقرہ "موجودہ دور کی جمہوریت" اس سلسلے میں گرہ کُشا ہو سکتا ہے اور صاف کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں وہ مغربی جمہوریت نہیں ہے جو موجودہ دور میں رائج ہو چکی ہے۔ اسلامی خلافت نہ تو آج کے انتخابی ہنگاموں کی روادار ہے، نہ ہر مسئلے پر اس عوامی شور و غوغا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جس کا محرک بالعموم گروہ بندی و مفاد پرستی ہوتی ہے۔ اول تو اسلامی خلافت میں کوئی شخص اپنے انتخاب کا امیدوار اور اپنی برتری کا دعوے دار نہیں ہوتا، دوسرے جو شخص اپنی صلاحیت و دیانت اور خدمت و ایثار کی بنا پر اجتماعی رضامندی سے ایک بار خلیفہ یا امیر مقرر ہو جاتا ہے وہ حدودِ شریعت کے اندر پوری طرح با اختیار ہوتا ہے اور استقلال و استحکام کے ساتھ دین کے فروغ اور معاشرے کی فلاح و ترقی کے لیے کام کر سکتا ہے۔

کتاب کا آخری اور سب سے معرکہ آرا مضمون "عورت مذاہب عالم میں" ہے۔ یہ جناب مالک رام کی پہلی کتاب اسلامیات "عورت اور اسلامی تعلیم" کا نہ صرف خلاصہ بلکہ اس میں ایک اضافہ بھی ہے، اس لیے کہ عورت کے متعلق اسلامی تعلیم کا موازنہ دوسرے مذاہب، مثلاً عیسائیت، یہودیت اور ہندو دھرم کی تعلیمات یا روایات سے کر کے دکھایا گیا ہے کہ بہترین نقطۂ نظر اسلام ہی کا ہے۔ اس موضوع پر بحث ہم مذکورہ کتاب کے سلسلے میں کریں گے۔ ابھی مضمون کے بعض مقامات کے اشکالات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حسبِ ذیل آیت کا ترجمہ محلِ نظر ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (۲: ۱۰۶)

(ہم کوئی شریعت یا وحی منسوخ نہیں کرتے یا لوگوں کے دل سے اسے فراموش یا محو نہیں ہونے دیتے جب تک اس سے بہتر یا کم از کم اسی جیسی دوسری شریعت اس کی جگہ نہیں لے آتے) (ص ۱۳۱ اسلامیات)

یہاں آیت کے لفظ کا ترجمہ وحی کے مترادف کے ساتھ شریعت کیا گیا ہے، حالاں کہ آیت کا مفہوم صرف آیت ہوتا ہے، شریعت نہیں اور قرآن اس موقع پر تنسیخِ شریعت نہیں، صرف تبدیلِ آیت کی بات کر رہا ہے۔ لہٰذا جو بات جہاں پر ہے اور جس حد تک ہے اس کو وہیں اور اسی حد میں رکھنا چاہیے' ورنہ کچھ بحثیں بے محل چھڑ جائیں گی۔ فی الواقع تنسیخِ شریعت کی بحث بہت نازک اور پیچیدہ ہے۔ اس میں طوالت بھی ہے۔ اپنے دوسرے مضمون "الاسلام" میں جناب مالک رام نے اس موضوع کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"دراصل تغیر و تبدل اور ارتقا کا عمل شریعت اور قانون میں ہوا ہے..... جتنی الہامی کتابیں اس وقت ملتی ہیں ان سب میں اعتقادات اور اخلاق کا حصہ کم و بیش یکساں ہے۔ صرف اجمال اور تفصیل کا تفاوت ہے۔ لیکن شریعت اور قانون کا حصہ خاصا مختلف ہے۔" (ص ۲۷ اسلامیات)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بیان میں جناب مالک رام شریعت اور قانون کو ایک دوسرے کا ہم معنی سمجھتے ہیں اور انھیں اعتقادات واخلاق سے ممیّز کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس سلسلے میں جو علمی بحثیں کی گئی ہیں وہ اخلاق وقانون یا اعتقاد وشریعت کے مقابلے پر مبنی نہیں، بلکہ دین وشریعت کے فرق پر مشتمل ہیں۔ علما کا عام طور پر خیال ہے کہ دین ہمیشہ ایک رہا ہے اور وہ قانونِ قدرت کی طرح اٹل ہے، لیکن شریعتیں وقت اور ماحول کے لحاظ سے بدلتی رہی ہیں، مثلاً شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدی کے درمیان کچھ فرق ہے، گرچہ دونوں کا منبع ایک یعنی دینِ اسلام ہے۔ لیکن اس امتیاز کا یہ مطلب نہیں کہ شریعتِ محمدی اور شریعتِ موسوی میں کوئی مماثلت نہیں۔ تورات کے احکام عشرہ قرآن میں بھی موجود ہیں۔ البتہ قرآن یہ وضاحت کرتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی روایات وخرافات میں اللہ کے اس کلام کو مسخ کر دیا جو ان کے پیغمبر پر نازل ہوا تھا، جب کہ قرآن خدا کے خالص کلام اور پیغام کو پیش کر کے حقائق کے رخ سے وہ پردے اٹھا رہا ہے جو یہودی مشائخ نے اس پر ڈال رکھے تھے۔ اسی لیے قرآن کا موقف یہ ہے کہ وہ پچھلے تمام پیغمبروں پر نازل ہونے والی خدا کی تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور ان کی تعلیمات پر مشتمل ہے، وہ ان کے احکام کی توضیح بھی کرتا ہے اور تکمیل بھی۔ اس طرح شریعت کی تبدیلیاں صرف بعض امور میں جزوی طور پر ہوتی ہیں، پوری کی پوری پچھلی شریعت نہیں، صرف اس کے کچھ حصے بدلے جاتے ہیں۔ یہی مطلب ہے زیرِ بحث آیت میں صرف کسی آیت یعنی اس میں مضمر کسی حکم کی تبدیلی کا۔

"یہود کا ایک رواج" کے باب میں جناب مالک رام نے حضرت مریم کی پیدائش کے واقعے پر ان کی ماں سے منسوب ایک شخص، یوسف نجار، کا جو ذکر کیا ہے وہ تحقیق طلب ہے۔ قرآن اس ذکر سے خالی ہے اور اسرائیلیات بداہتہً ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اسی طرح "جاہلیت میں نیوگ" کے عنوان سے ایک مختصر بیان کا یہ جملہ ناقابلِ فہم ہے: "قرآن میں جہاں احصان کے مقابلے میں مسافحت سے منع کیا ہے وہاں یہی عارضی تعلق مراد ہے"۔ احصان یقیناً مسافحت سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ وطریقہ ہے، مگر یہ ہر قسم کی شہوت رانی کے مقابلے میں ازدواج کے تحفظِ عصمت کی ضمانت دیتا ہے، صرف کسی خاص جاہلانہ عارضی تعلق کی مخالفت تک اس کا اثر محدود نہیں ہے۔ اس تحدید میں غلطی یہ ہے کہ عموم کو تخصیص سے بدل دیا گیا ہے، جس کا کوئی قرینہ واضح نہیں اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔

"عورت اور اسلامی تعلیم" جناب مالک رام کی ایک اہم علمی تصنیف ہے اور اپنے موضوع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر ایک گراں قدر کوشش ہے۔ اس میں ایک عمدہ ترتیب سے "بیٹی"، "بیوی"، "ماں" اور "وارثہ" کی مختلف حیثیتوں سے عورت کے متعلق اسلامی احکام و ہدایات پیش کیے گیے ہیں اور اس سلسلے میں قرآن و حدیث سے بہ کثرت استدلال کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مصنف نے وقت کے ایک نازک مسئلے پر اسلام کی تعلیمات کا وسیع و عمیق مطالعہ کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک صحیح نقطۂ نظر سے مسئلے کا حل دریافت کرنے کی سعی کی ہے۔ اس معاملے میں ان کی سلیم الطبعی اور بصیرت ان ماہرینِ قانون اور صحافیوں کے لیے قابلِ رشک ہے جو آئے دن بے جانے بوجھے اور بے سوچے سمجھے اپنی ناقص معلومات کا مظاہرہ بڑے طمطراق سے کرتے رہتے ہیں۔ جناب مالک رام نے بہت ہی موزوں طور سے عورت کی ہستی پر غور و فکر اسے مجرد عورت تصور کر کے نہیں کیا ہے، جس طرح مغربی اور مغرب زدہ علماء و مفکرین عام طور پر کرتے نظر آتے ہیں، اور ان کی روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کا اپنا تشخص تو ختم ہو جاتا ہے، مگر آزادی و برابری اور انفرادیت و امتیاز کے نعروں کے شور میں اس کے متعلق مرد کے تصورات بہت ہی غیر فطری طریقے سے اس پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

اس نا معقول روش کے برخلاف، جناب مالک رام اسلام کے حوالے سے عورت کی شخصیت کا جائزہ اس کے حقیقی رشتوں کی بنیاد پر لیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ انسانی سماج میں عورت کا مقام اس کے ذاتی و خاندانی تعلقات سے متعین ہوتا ہے، نہ کہ سماج اور خاندان سے الگ ہو کر کسی خلا یا ذات کے تہاں خانے میں معلق ہو کر۔ اپنے قایم کیے ہوئے عنوانات پر مباحث میں مصنف نے جس باریک بینی کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ مختلف ابواب کی ذیلی سرخیوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر سب سے طویل باب "بیوی" کی چھتیس [۳۶] مستقل سرخیوں میں سے صرف چند یہ ہیں:

پہلا مقصد نکاح: محبت : دوسرا مقصدِ نکاح: بقائے نسل۔ فحش اور زنا۔ لعان۔ تیسرا مقصد نکاح: انسدادِ فسق۔ محرماتِ نکاح۔ تعددِ ازدواج۔ ولایتِ نکاح۔ عورت کے حقوق۔ اعلانِ نکاح۔ مہر۔ اہلی زندگی۔ نان و نفقہ۔ تربیتِ اولاد۔ اختلاف کا علاج۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کی حیثیت سے عورت کے جو حقوق و فرائض مرد کے مقابلے میں اس کے لیے مخصوص ہیں ان پر مصنف نے شرح و لبسط کے ساتھ لکھا ہے اور ایک ایک جز کو لے کر اس کے متعلق اسلام کی تعلیم پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ایک حکیمانہ، مرتب و منظم اور صریح و واضح اندازِ بحث ہے۔ دوسرا اہم باب عورت بحیثیت "ماں" ہے، جس میں ایک شادی شدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت کے باقی ماندہ مسائل کا تجزیہ اور ان کے حل کی تشریح مندرجہ ذیل سرخیوں کے تحت کی گئی ہے:

طلاق۔ عدتِ طلاق۔ عدتِ بیوہ۔ حاملہ مطلّقہ۔ مُرضِعہ مطلّقہ۔ عدت کے اغراض۔

دو طلاق۔ طلاق کی قسمیں۔ حلالہ۔ طلاق اور مہرِ خُلع۔ خلع پر پابندیاں۔ خلع کا قانون۔

ان مباحث میں بالعموم جناب مالک رام کس طرح صحیح اسلامی تعلیمات مدلّل طریقے سے پیش کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ حال فی الحال نفقۂ مطلّقہ پر چلنے والی بحث کے سلسلے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، حالاں کہ یہ کتاب سال ہا سال قبل ۱۹۵۰ء میں تحریر کی گئی تھی اور اس کی دوسری اشاعت بھی جو بروقت میرے سامنے ہے ۱۹۷۷ء میں منظرِ عام پر آئی تھی۔ باب "ماں" میں "دو طلاق" کے عنوان سے فرماتے ہیں:

"اگر تین طلاقیں مکمل ہو جائیں تو اس کے بعد نہ عورت ہی اس خاوند کے گھر میں رہ سکتی ہے اور نہ طلاق دینے والے خاوند پر اس کا نفقہ ہی واجب ہے۔ کیونکہ پہلی دو طلاقوں کی صورت میں جب خاوند کو حکم دیا تھا کہ "عورت کو گھر سے نہ نکالو اور اس کے نان نفقے کا انتظام کرو" تو اس سے مقصود یہ تھا کہ ممکن ہے، عدّت کے دوران میں، ان دونوں میں مفاہمت ہو جائے اور وہ رجوع کر لیں۔ لیکن چونکہ تیسری دفعہ طلاق دے دینے کی صورت میں وہ رجوع کر ہی نہیں سکتے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اب عورت کو پہلے شوہر کے گھر میں بند رکھا جائے۔" (ص۱۶۲)

اسلام میں پردے کے موضوع پر بھی جناب مالک رام نے ایسا ہی بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے۔ باب "بیٹی" میں "بیرونِ خانہ زندگی اور پردہ" کے زیرِ عنوان وہ کہتے ہیں:

"ان سب سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے منہ کا پوشیدہ کرنا پردے کے حکم میں شامل قرار دیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو عام حکم "اِلّا ما ظہر منہا" دیا جا چکا ہے وہ یہاں بھی نافذ ہوگا، یعنی عورتیں اپنی آرائش کو ظاہر نہ کرتی ہوئی عام طور پر چہرہ پوشیدہ رکھیں گی۔ ہاں اگر اس کے باوجود ضرورت سے منہ یا ہاتھ وغیرہ کھولنا پڑیں، یا وہ اضطراراً ننگے ہو جائیں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔" (ص۴۲)

زیرِ نظر کتاب میں بعض افکار ایسے بھی ہیں جو نزاعی قسم کے ہیں اور متعدد علماء کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ ان افکار میں مصنف نے زیادہ تر قیاس آرائی سے کام لیا ہے اور قرآن کی بعض آیات کے متن پر وہ کافی غور و فکر نہیں کر سکے ہیں۔ مثال کے طور پر "خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَّخلق منھا زوجھا" (ص۵۸) پر بحث کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ "اس آیت سے کسی طرح یہ معنی نہیں نکلتے کہ حوا، حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں" (ص۵۸)۔ آیت کا لفظی ترجمہ یوں ہے جسے خود مصنف نے اختیار کیا ہے: "تم سب کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا"۔ سوال یہ ہے کہ یہ "ایک ہی نفس" کون ہے اور کیا "اسی سے اس کا جوڑا" کی ضمیر اس "ایک ہی نفس" کی طرف راجع نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ نفس آدم کے سوا کوئی اور نہیں۔ تب آدم کے نفس یعنی اس کی ذات سے ہی اس کے جوڑے یعنی حوا کا پیدا کیا جانا واضح ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کا مطلب فقط حوا کا آدم کا ہم جنس ہونا ہے نہ کہ اس کے اندر سے پیدا ہونا، تو اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں مفاہیم ممکن ہیں اور کسی ایک پر اصرار صحیح نہیں۔

باب "بیوی" میں "تعددِ ازواج" کی سرخی کے تحت ایک آیت پیش کر کے "مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ" کا ترجمہ "دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں" کیا گیا ہے (ص۸۸)۔ یہاں لفظ "دوسری" غیر ضروری ہے اور اس سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یتیم لڑکیوں کی ماؤں سے نکاح نہیں کیا جا سکتا، حالاں کہ شانِ نزول کے اعتبار سے خاص کر انہی کے ساتھ عقد کا مشورہ دیا گیا ہے، تاکہ یتیموں کی مناسب پرورش کا انتظام ہو سکے، گرچہ حکم تمام قابلِ شادی عورتوں کے لیے عام ہے۔

اسی باب میں "فحش اور زنا" کے عنوان سے دو آیتیں صفحات ۶۴، ۶۵ پر درج کرنے کے بعد "اَلّاتی" اور "اَلّذان" کے اسمائے اشارہ کے حوالے سے بحث کر کے دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پہلی صورت عورتوں کے لیے ہے اور دوسری مردوں کے لیے۔ یہ غلط ہے۔ "الذی" کا اسم اشارہ قرآن میں بے شمار مواقع پر مرد و عورت دونوں کے لیے عمومی طور سے استعمال کیا گیا ہے اور جب تک کوئی واضح قرینہ آیت کے اندر موجود نہ ہو اس اسم اشارہ کا استعمال عام ہوتا ہی ہے۔ یہاں بھی یہی بات ہے۔ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور معاملہ غلط و ناجائز جنسی تعلق کا ہے، جس کی سزا بیان کی جا رہی ہے۔ یہ صریحاً زنا کا مسئلہ ہے، نہ کہ لواطت کا۔ لہٰذا اس میں فریقین مرد و عورت ہوں گے، نہ کہ دو مرد، جیسا مصنف نے ترجمہ کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سورۂ نور کے حوالے سے زنا کی سزا پر مصنف کی ساری بحث عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ دوسری حرام کی ہوئی چیزوں، مثلاً شراب و سود، کی طرح زنا کی سزا کا حکم بھی بہ تدریج نازل ہوا۔ یہ حقیقت قرآن کے تحقیقی مطالعے سے واضح ہوتی ہے، جس میں شانِ نزول اور سیاق و سباق کا علم شامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ متعلقہ صحیح احادیث کی واقفیت بھی ضروری ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض قاصد نہیں، باضابطہ شارع تھے اور قانونِ اسلامی کے سرچشموں میں بنیادی حیثیت اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ رسولؐ کی سنت بھی ہے۔ اس تناظر میں زنا کے متعلق اسلام کے تعزیری قوانین سے جو کچھ بہ تحقیق معلوم ہوتا ہے وہ جناب مالک رام کے نتائجِ بحث سے مختلف ہے۔

بہر کیف، مجموعی وعمومی طور پر جناب مالک رام کا مطالعۂ اسلام قابلِ قدر اور بعض خامیوں کے باوجود لائقِ اعتبار ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں بڑی کاوشیں کی ہیں اور خلوص و بصیرت کے ساتھ متعدد اہم مسائل و موضوعات پر اسلام کے احکام و تعلیمات واضح کیے ہیں۔ یقیناً یہ ایک علمی کارنامہ ہے اور اس کی تحسین ضروری ہے۔ ادب کے ایک محقق ہونے کے ساتھ ساتھ جناب مالک رام نے دینیات سے جو اعتنا کیا ہے وہ ان کی دانش وری کی دلیل ہے اور اس جہت سے موصوف اردو ادب کے معدودے چند ان دانش وروں میں ایک ہیں جو بہ یک وقت ادب اور علم دونوں کا ذوق و شعور رکھتے ہیں۔

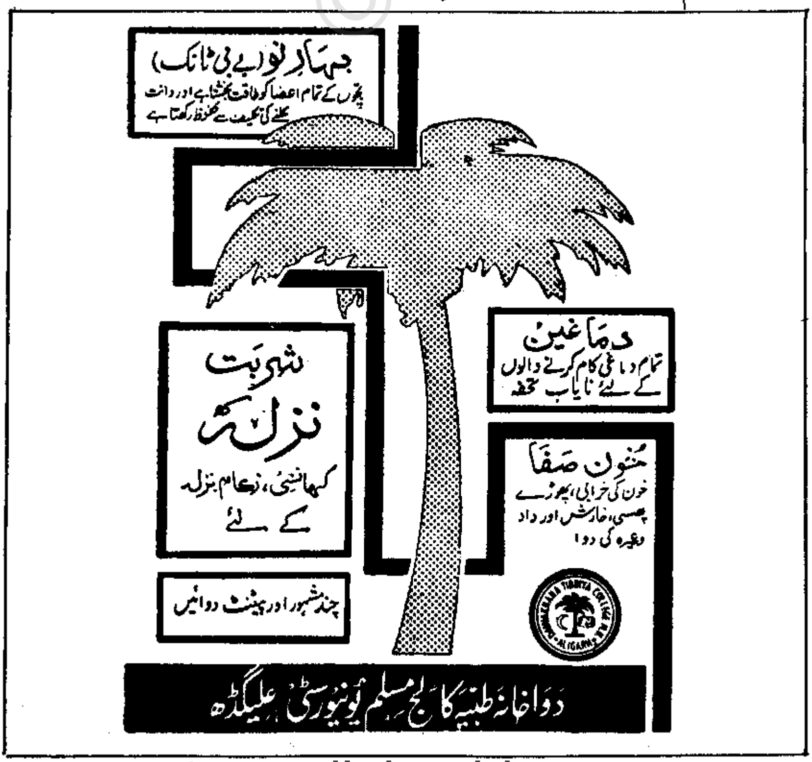

© rasailojaraid.com